

## Rasm o Rawaj Ka Talism - رسم و رواج کا طلسم

[والد صاحب گاؤں کے بڑے زمیندار تھے۔ ہمارا خاندان گاؤں میں معتبر تھا اور والد صاحب اپنے علاقے میں مرکزی رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور آج جو میں اپنی آپ بیتی رقم کر رہی ہوں تو وقت کی ستم ظریفی تمام ہو جانے کے بعد میرے دل پر انمٹ نقوش چھوڑ کر دم توڑ چکی ہے۔ تایا ابو میرے خالو بھی تھے، کیونکہ ان کی شریک حیات میری خالہ تھیں، ایک روز وہ کراچی سے ہمارے گھر آئے، ساتھ ان کا صاحبزادہ طارق بھی تھا۔ بتاتی چلوں کی خالہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ کزن کی چند ماہ پہلے ہی شادی ہوئی تھی۔ یہ لوگ ہم کو اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ بیبی وجہ تھی کہ خالہ جان مجھے اپنے ساتھ کراچی لے جانا چاہتی تھیں۔ ابو جان سخت مزاج تھے۔ وہ اجازت نہ دیتے تھے لیکن یہ مرحلہ تایا ابو نے حل کر دیا۔ رات کے کھانے پر بات ہوئی تو ان کے اصرار پر ابو نے اجازت دے دی کیونکہ وہ تایا کی کوئی بات نہیں ٹالتے تھے۔ میرے تایا ابو کراچی میں پولیس انسپکٹر تھے۔ میں گاؤں سے کراچی جانے کی تیاری کرنے لگی۔ امی جان اور تمام سہیلیاں مجھے الوداع کہہ رہی تھیں، سب کی آنکھیں پر نم تھیں جیسے میں ان سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ کر کہیں جا رہی ہوں۔ میری اپنی حالت قابل رحم تھی اور ڈرائیور کہہ رہا تھا بہن جلدی کرو، ریل گاڑی نکل جائے گی۔ جب میں چلی ماں مجھے بار بار پیار کر رہی تھیں۔ خالہ نے امی سے کہا بہن میں اس کی تعلیم کا معیار آپ کی منشا کے مطابق کروں گی۔ میرا کزن بہت شوخ مزاج تھا کہنے لگا۔ امی جان کا بس چلا تو جاتے ہی سحر کو پرنسپل کی کرسی پر بٹھا دیں گی۔ سب ہنس پڑے۔ خالہ نے کہا چل شری، خبردار جو میری بیٹی کا مذاق بنایا۔ خیر ہم کراچی آگئے۔ یہاں کے ماحول سے مانوس ہونے میں کچھ وقت لگا۔ خالہ جان کی محبت نے مجھے جلد معیار زندگی بخش دیا اور ایک ہفتہ بعد میرا داخلہ ایک اچھے اسکول میں کروادیا گیا۔ اسکول کا پہلا دن بڑی الجھن میں گزرا جبکہ میں گاؤں کے اسکول کی ایک بوتنار طالبہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اچھی صورت سے نوازا تھا۔ تابہ شہر کی ہر بات گاؤں سے مختلف اور ایک جداگانہ نظام کے تابع ہوتی ہے۔ پہلے روز ہم جماعت لڑکیوں نے میری خوب نقل اتاری مگر فوزیہ آئے ائی۔ میری وکیل بن گئی، یوں درگت بننے سے محفوظ رہی۔ یہ فوزیہ ہے۔ ان میری دوستی کا پہلا دن تھا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ خالہ جان کے ساتھ والے گھر میں رہتی ہے۔ ان کے گھر والوں سے تایا ابو اور خالہ جان کے فیملی تعلقات تھے، میری خوش بختی کہ یہ لڑکی نہ صرف میری ہم جماعت نکلی بلکہ ایک بہت اچھی دوست بھی ثابت ہوئی، جہاں ہم رہتے تھے یہ پولیس لائن تھی جہاں پولیس والوں کی فیملیز ہی رہتی تھیں۔ بڑا کزن اپنا کاروبار کر رہا تھا جبکہ چھوٹا میٹرک میں تھا اور میں ان دنوں اٹھویں کلاس میں تھی۔ عصر کے وقت فوزیہ آ جاتی اور ہم مل کر اسکول کا کام کر لیتیں۔ اس کے بعد تازہ دم ہونے کو چھت پر چلی جاتی تھی یہ ہمارا فلیٹ دوسرے فلور پر تھا اور اس کے بعد چھت تھی۔ ایک دن چھت پر کھڑی موسم کے حسن کو محسوس کر رہی تھی کہ نگاہ بالمقابل فلیٹ پر پڑی۔ جہاں سامنے والے کمرے میں ایک لڑکا پڑھائی میں مصروف تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اب روز ہی میں اسے سام کے وقت اس عالم میں پاتی۔ وہ مجھے بہت ہی پڑھاکو قسم کا لگا۔ اچانک میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ آخر کسی دن تو یہ نظر اٹھا کر دیکھے گا۔ میں مقررہ وقت پہ باقاعدہ چھت پر ہوتی مگر اس کی توجہ تمام تر تعلیم پر تھی۔ چند بار اس نے ہماری چھت کی جانب دیکھا بھی مگر بغیر تاثر کے۔ اس کی نگاہیں فوراً پلٹ جاتیں۔ عصر کا وقت تھا۔ میرا کزن اندر بیٹھا ڈیک پر میوزک سن رہا تھا، مذہم سروں میں نصرت فتح علی خان کی آواز آ رہی تھی۔ تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی۔ اتنے میں بیل بجی۔ طارق نے کہا۔ سحر دیکھو تو کون ہے۔ میں نے جب دروازہ کھولا تو حیرت کا مجسمہ ہو گئی۔ کیونکہ وہی لڑکا میرے سامنے تھا۔ میری نگاہ اس کی نظر سے ملتے ہی حیا کی وادی میں اتر گئی۔ طارق سے کہنے کہ فراز آیا ہے۔ میں نے آ کر کزن کو آگاہ کیا۔ غالباً ان کا کوئی پروگرام تھا کہ نام سننے ہی طارق گھر سے ہوا ہو گیا اور میں خیالوں کی دنیا میں غلام سفر ہو گئی۔ یہ سلسلہ تب ٹوٹا جب فوزیہ بس نے نشست یاد میں کیا ڈھونڈا جارہا ہے؟ ایسا کچھ نہیں۔ تو پھر اتنی بے خودی کیوں؟ میں ویسے ہی تصورات کو نقش نظر کر رہی تھی۔ تو بھائی کیا نذر ہو رہا ہے کچھ تو بتائے۔ میں نے چڑ کر کہا۔ چل چڑیل ..... بڑی ائی شاعری فرمانے۔ حالانکہ اس وقت میرے اندر خیالات کی بلچل مچی تھی۔ گو میں ایسی باتوں میں برگز نہ تھی مگر دل بے بس نے اپنا ایک الگ سمان باندھ دیا تھا۔ اگلے دن شام کو میں اور فوزیہ چھت پر چہل قدمی کر رہے تھے..... میں اپنی چھت پہ اور وہ اپنی چھت پر... حالت سفر میں تھے کبھی نظریں ملتیں اور پھر واپس منزل ہو جاتیں۔ ان کی چھت کے بچے ہماری چھت کے بچوں سے کوئی شرارت بھری گفتگو یا حرکت کرتے تو ہمارے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ جاتی۔ اسی مسکراہٹ نے ہمارے درمیان ایک تعلق کو روا کر دیا کہ فراز مجھے دیکھ چکا تھا اب ہم ایک دوسرے لئے اجنبی نہ رہے تھے۔ فراز کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں وہ یہ تھیں کہ ان کا تعلق بھی ہمارے علاقے سے ہے اور اس کے والد صاحب تایا ابو کی طرح پولیس انسپکٹر ہیں۔ ان کی فیملی کا بھی کبھار خالہ جان کے گھر آنا ہوتا تھا۔ یوں طارق اور فراز ..... نہ صرف کلاس فیلو بلکہ اچھے دوست بھی تھے۔ چند ماہ گزر گئے اب میں پہلے سے زیادہ سنجیدہ و خاموش رہنے لگی۔ ایک دن فوزیہ نے سوال کر دیا۔ سحر میں نوٹ کر رہی ہوں کہ تم کسی اور دنیا میں رہنے لگی ہو لیکن میری دوست جذبات کے رشتے سوچ سمجھ کر نباہنے ہوتے ہیں کیونکہ یہ بہت نازک ہوتے ہیں جن کے ٹوٹ جانے سے انسان خود بھی ٹوٹ جاتا ہے، پھر ہمارا معاشرہ ہمیں ہمارے ذوق سفر کے مطابق نہیں چاہتا۔ دینا۔ کیا مطلب میں نے انجان بن کر کہا۔ مطلب یہ کہ کیا فائدہ خود کو بے مقصد ہے مراد صحرا میں دھکیلنے کا کہ جہاں خواری و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں فوزی میں نادان نہیں ہوں۔ گرچہ اندر سے کمزور ضرور ہو گئی ہوں۔ مہمان دل کو حال دل تو نہیں سناسکتی مگر اس کی تمنا تو کرسکتی ہوں۔ ان دنوں خالہ جان کی صحت ٹھیک نہ تھی کہ فراز کی امی اور بہن ان کو دیکھنے آئیں۔ میں کچن میں گئی تو نشیمہ وہاں آ گئی۔ ہم نے مل کر چائے بنائی اور میں نے پھر اس کے گھر کا نمبر لے لیا۔ چند دن بعد میں نے ہمت کر کے فون ملا یا۔ حسن اتفاق کہ فراز ہی نے ریسیو کیا۔ ہیلو ہیلو.... کیٹا رہا، میں خاموش رہی۔ دراصل پس پردہ رہ کر مکمل آگاہی چاہتی تھی تا کہ مجھ کو فیصلہ کرتے وقت دشواری نہ ہو، پھر خاندان کی پاسداری کا حق بھی محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ تیسری بار بھی جب ہیلو کے سوا اس نے کچھ نہ کیا تو میں بول پڑی کہ جناب کو ہیلو کے سوا بھی کسی لفظ پر دسترس ہے کہ نہیں؟ اس کا کہنا تھا کہ کیا معلوم کون ہو۔ آداب ملحوظ خاطر تھا کہ آغاز گفتگو میں پہل نہ کر سکا۔ یہاں سے ہمارا فون پر رابطہ شروع ہوا، اس کا اصرار کہ بتاؤ کون ہو مکمل تعارف کراؤ جبکہ میں ابھی ایسا فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ اس کو مکمل اپنے بارے میں باخبر کرتی۔ اس نے ایکسچینج میں جا کر نمبر ٹریس کیا... تو معلوم ہوا کہ نمبر تو اس کے دوست طارق کا ہے۔ اب راز کھل گیا کہ فون کرنے والی اس کی کزن سحر ہے۔ فراز نے کبھی نگاہ غیر مجھ پر نہ ڈالی تھی

ایسا سوچا نہ تھا بلکہ اس کی نظر میں اس کے دوست کی عزت تھی۔ اب جب اس نے بات کی تو کہا۔ سحر میں نے بھی تبھی میں انجان بن کر گویا ہوئی۔ جناب، کون سحر؟ کیونکہ میں تو ایک فرضی نام سے بات کرتی تھی۔ مجھے سب معلوم ہو گیا ہے، طارق میرا دوست ہے اور یہ بات مجھے شرمندگی کے دریا میں ڈبو رہی ہے کہ جب اس کو معلوم ہوگا تو وہ میرے متعلق کیا خیال کرے گا، میں خود اس نازک مسئلے پر کئی بار سوچ چکی تھی کہ جب بات عیاں ہوگی تو کیا ہوگا، پھر حالات نے ثابت کر دیا کہ جو ہوا وہ ہماری سوچ سے بھی برا ہوا۔ حالات کی آندھی نے ہم کو غرق طوفان کر دیا۔ ہمارے عزم کی جیت ہوئی بھی تو زندگی بذات خود بار چکی تھی۔ فون پر جب ہمارے عہد و پیمان ہوئے، زندگی کی راہوں پر اکتھے چانے کے منصوبے ترتیب دینے جاتے تھے۔ خبر کیا تھی کہ وقت کے پردے میں ایک بہت بڑا خاموش طوفان بھی اٹھ رہا ہے۔ ایک دن طارق نے مجھ کو نہ صرف فون پر باتیں کرتے دیکھ لیا بلکہ سن بھی لیا۔ تبھی اس نے مجھے پکڑ کر امی کے حضور پیش کر دیا۔ وہ گرج رہا تھا۔ امی جان سحر کو سنبھالنے کسی لڑکے سے باتیں کر رہی تھی۔ پہلے تو خالہ جان کو یقین نہیں آیا۔ انہوں نے سرزنش کی تو میں نے کہا کہ طارق کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اپنی سہیلی سے بات کر رہی تھی، اس وقت تو بات اتنی گئی ہوگئی مگر اس کے بعد کزن نے مجھے نوٹ کرنا شروع کر دیا اور ایک دن عین اس وقت میرے ہاتھ سے فون لے لیا جب میں فراز سے محو گفتگو تھی۔ اس نے فراز سے کچھ نہ کہا مگر میری خوب بے عزتی کی۔ دوست کو بس اس قدر کہا کہ آپ سے مجھ کو یہ امید نہ تھی۔ اس کے بعد کبھی پھر اس سے بات نہ کی، کوئی فساد برپا نہ کیا بلکہ مکمل خاموشی اختیار کر لی۔ جب انہوں نے نوٹ کیا کہ ہمارا رابطہ کسی نہ کسی طرح ہو جا تا ہے تو بالآخر وہ ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کہ میں جلدی سے میٹرک کرلوں تو مجھ کو واپس گاؤں بھیج دیا جائے۔ اس فیصلے کے بعد میری زندگی دوسروں کی سوچوں کی اسیر ہوگئی۔ زنداں کے قیدی کی طرح خوشیوں سے محروم کی جا رہی تھی۔ ایک فرد بھی میرے حق میں ایسا نہ تھا جو میرے احساسات کی ترجمانی کرتا۔ بس ایک یقین کی کرن تھی اور خدا سے امید باندھ لی تھی جس کی وجہ سے اپنی قوت ایمانی پر قائم اپنے ارادے پر اک چٹان کی طرح ٹھہر گئی تھی۔ جب فراز کو میں نے اپنے گھر والوں کے فیصلے سے آگاہ کیا کہ مجھے واپس گاؤں بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے کہا۔ اب ہمارا ملنا ضروری ہو گیا ہے تا کہ کوئی ایسا پروگرام ترتیب دیا جائے جس سے ہم منزل مقصود کو حاصل کرسکیں۔ ہمارے اسکول میں ایک تقریب ہو رہی ہے لہذا فوراً ہی سے طے کر کے وقت ملاقات مقرر کر لیتے ہیں۔ میں نے کہا۔ پھر جس دن اسکول میں فنکشن ہو رہا تھا ہم کلفٹن کا پروگرام ترتیب دے رہے تھے، اس جگہ کا میں نے خود انتخاب کیا تھا کیونکہ سمندر اور ساحل میری کمزوری تھے۔ فراز کے دوست کا شوروم تھا۔ وہ گاڑی لے کر آ گیا تھا۔ آج چند اتفاقات ہماری برابری کر رہے تھے۔ زندگی کے سوئے ہوئے دنوں میں یہ ایک جاگتا ہوا روشن دن تھا کہ ایک خواب نے حقیقت کا روپ دھار لیا تھا۔ آج ہم ساحل سمندر پر چلتے ہوئے ایک حسین دنیا کے مہمان تھے۔ اک تنہا پتھر پر... اک تنہا جوڑے کا ہونا... حد نگاہ سمندر کا تھا تھیں مارنا.... کسی معروف مصور کا شاہکار نظارہ تھا۔ پانی کی ایک لہر آئی۔ پتھر سے ٹکراتی اور پھر واپس چلی جاتی۔ یہ منظر میرے اندر وجدان پیدا کر رہا تھا تبھی میں نے کہا تھا فراز..... تم میری زندگی کا حادثہ، ماضی کا فسانہ نہ بن جانا کہ میری مضبوطی آپ کی ذات سے ہے نہ کہ کسی وقتی جذبہ و خواہش سے۔ سحر میں یہ تو نہیں کہتا کہاں تک آپ کا ساتھ دے پاؤں گا۔ وہ خواب نہیں تھا جو عارضی ہونے کے باوجود مکمل تعبیر رکھتا ہے۔ پھر وہ باتیں ہوئیں جن کا ہماری سابقہ اور مستقبل کی زندگی سے گہرا تعلق تھا۔ ایک اچھی کاوش، منزل مراد ضرور ہو جاتی ہے ہمارے لئے حوصلے کی جو بات تھی وہ یہ تھی کہ ہمارے خاندانوں کے درمیان ایک اچھا تعلق قائم تھا مگر دونوں طرف سے شاید اس امر کو ناپسند کیا جا رہا تھا کہ جو تعلق ہم دونوں کے درمیان تھا۔ اسی وجہ سے چند مضبوط مشکلات کا سامنا تھا۔ اب ہمارے لئے آنے والا وقت ایک امتحان سے کم نہ تھا۔ اس ملاقات کے بعد دو اور ملاقاتیں ہوئیں لیکن خاندان کی ناموں کی پاسداری کے سبب ہم لوگ کافی محتاط رہے۔ میٹرک کے پرچے ختم ہو گئے، میرے گاؤں واپس ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ شام کو فوزیہ اور میں چھت پر کھڑے شہر افق پر گرتے اندھیرے اور اٹھتی روشنیوں کو تک رہے تھے، میری دلی حیرت آنکھوں میں سمٹ آئی تھی، جیسے یقین ہو کہ وقت کا قاضی پھر کبھی اس منظر کو دیکھنے کا موقع نہ دے گا۔ دوسرے دن میں کراچی سے واپسی کے سفر پر تھی۔ اسی ڈبے میں فراز نے بھی تین نشستیں بک کرائی تھیں سفر ہم سفر کے ساتھ ہو رہا تھا۔ کراچی سے پنجاب کا طویل سفر تھا جب راستے میں کسی اسٹیشن پر ریل رکتی۔ کچھ دیر سہی ہماری بات چیت ہو جاتی چونکہ میرے ساتھ نانی جان تھیں اور وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ تھا۔ ہمارا اسٹیشن آ گیا۔ وہاں سے ہم نے گاؤں کے لئے ٹیکسی لی۔ فراز نے بھی ایک علیحدہ ٹیکسی کر لی اور گاؤں تک ساتھ آئے۔ گاؤں کے اگلوئے ہوٹل پر وہ رک گئے۔ میں فراز کے ساتھ اپنے تحفظات بانٹ چکی تھی، خبر گزری کہ گاؤں والوں نے شک نہ کیا۔ گاؤں میں فون کی سہولت موجود نہ تھی۔ کبھی شہر جانا ہوتا تو دوست کے نام سے فون پر چند باتیں رسمی ہو جاتی تھیں اور گھر والوں کو شک بھی نہ گزرتا اور حالات کا علم بھی ہو جاتا۔ کیونکہ فراز کے چچا وغیرہ سے ہمارے خاندان کا زمین کے سلسلے میں تنازع چل رہا تھا، وہ اس کو حل کرنے کے لئے گاؤں لے آئے اور مسئلے کا حل نکالنے کی خاطر کوشش بھی کی لیکن بات بگڑ گئی اور نوبت ہاتھ پائی تک پہنچ گئی۔ معلوم نہیں گولی کس سے چلی مگر انہوں نے فراز کا نام لے دیا کیونکہ گولی چلنے سے ایک جان کا نقصان ہو گیا تھا۔ یوں فراز کو جیل ہوگئی اور کیس جب چلا تو اس کو سزائے موت ہوگئی۔ یہ تمام چیزیں میرے لئے کسی بڑے المیے سے کم نہ تھیں کیونکہ ان کا اثر مجھ پر بھی ہو رہا تھا۔ میرے گھر والے اس واقعے کو ایشو بنا کر جلد از جلد میری شادی کر دینا چاہتے تھے اور رشتے کی تلاش بھی شروع کر دی تھی۔ ان حالات کی وجہ سے الجھن بڑھتی جا رہی تھی کہ ایک عزیز کا رشتہ ابو نے میرے لئے کفرم کر دیا۔ میری ذہنی حالت دگرگوں ہوگئی، رشتے داری سے ہٹ کر شریک حیات کے طور پر قبول کرنا میرے لئے خودکشی کے مترادف تھا لہذا میں نے صاف انکار کر دیا اور اس انکار نے مجھ کو زندگی سے ویران کر دیا کیونکہ گھر والوں نے ہر کوشش کر کے دیکھ لی۔ میرا جواب ہمیشہ انکار ہی رہا۔ فراز گرچہ ان دنوں زنداں میں تھا مگر میری حالت بھی زنداں کے قیدی سے مختلف نہ تھی، آخر میری دعاؤں کو شرف باریابی ملا اور باری تعالیٰ نے فراز کو دوبارہ اک نئی زندگی عطا کی، وہ ہائی کورٹ سے بری ہو گیا اور گھر آ گیا۔ ان لوگوں کو بھی عقل آ گئی۔ گولی سے ہمارے خاندان کا ایک ملازم ہلاک ہوا تھا لہذا خون بہا کے بعد تنازعے میں کمی آگئی اور ہمارے لوگوں میں سے چند ایک ان کو فراز کے بری ہو جانے پر مبارکیاں دینے لگے تو کافی خوشگوار ماحول میں ان کی باتیں ہوئیں۔ چند ایسی باتیں بھی زیر موضوع آئیں جن کا تعلق فراز اور میرے رشتے سے تھا۔ فراز کے گھر والوں کو معلوم تھا کہ ہمارا بیٹا اتنی بڑی آزمائش سے گزرا ہے لہذا مزید اس کو کسی

دستک دی اور تمام امتحان سے بچایا جائے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے کافی انکساری سے کام لیتے ہوئے ہمارے گھر پر معاملات کو خاندان کے افراد کے سامنے حل کرنے کی کاوش کی۔ اچھی پیش رفت پر رابطہ بحال رکھا گیا تا کہ مستقبل کی دشمنی کا امکان سمٹ جائے۔ فراز سے میری بات چیت کبھی کبھار ہو جاتی تھی اور ہم ایک دوسرے کو حوصلہ و صبر کی تلقین کرتے۔ آخر ہمارے خاندان کے بڑے آپس میں مل بیٹھے، بات درمیان میں کچھ بھی نہ تھی، اک ضد تھی کہ ان بچوں نے خود منتخب کیوں کیا ہے، ایک دوسرے کو؟ یہ ہماری روایت کے منافی ہے لیکن ایک بزرگ نے کہا کہ یہ بات ہمارے دین کے منافی ہے کہ بچوں کی رائے لئے بغیر ان کی زندگی کا اہم فیصلہ صادر کر دیا جائے اور پھر بچوں نے باقی کا اختیار ہم ہی کو دینا ہے لہذا ان کی رائے کی حمایت کرنی ہوگی تاکہ یہ دونوں ایک مکمل زندگی پاسکیں۔ یوں ایک پیچیدہ مسئلہ بزرگوں کے مل بیٹھنے سے حل ہو گیا۔ سبھی میرے ہم عمر لڑکے لڑکیاں خوش تھے کہ آج ایک غلط روایت کو شکست ہوئی تھی اور انسانیت کا سر خم ہو گیا تھا۔ بے شک ہماری یہ کامیابی ثابت قدمی کا مظہر تھی لیکن بزرگوں کے لئے اس رشتے میں برکت کا یہ بھی پہلو تھا کہ اس طرح دشمنی کا خاتمہ ہو رہا تھا، ورنہ دشمنی کا نسل درنسل جاری رہنا لازم تھا۔ اب ہر طرف اس فیصلے کو ایک اچھی مثال سے یاد کیا جا رہا تھا اور یہ سب کچھ ہماری قربانیوں کا ثمر تھا۔ شادی کی تاریخ طے پا چکی تھی اور ہمارے گھر ڈھولک کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آج مہندی کی رات تھی اور گانے بھی اسی نسبت سے گائے جا رہے تھے جبکہ میں ایک حسین و جمیل تصوراتی دنیا میں گم تھی۔ فراز کے ساتھ مزار قائد، کلفٹن اور باکس بے کے پر شور ساحل پر محو خرام کی۔ وہ فراق کے دن بھی یاد آ رہے تھے جب زمانہ ستم گری پر تلا ہوا تھا۔ ایسے وقت میں اس سے نمٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اپنی آرزو کی سرخروئی کی خاطر کتنی بڑی قربانی دینی ہوگی۔ وہ منزل جو اوائل میں بہت قریب نظر آتی ہے حقیقت میں کتنی دور ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ معاشرے کی بے رحمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر میرے آنسو نکل پڑے۔ تمام سہیلیاں میری طرف متوجہ ہو گئیں کہ پگلی اب کیوں روتی ہو اس دہشت سے تو تم آزاد ہو چکی ہو۔ خیر شادی پر خوب بلا گلا تھا آخر منزل بر آئی اور میں پیا گھرا گئی۔ آج جب ہم ایک دوسرے کے سامنے تھے تو تمام الفاظ دم توڑ چکے تھے ظاہری حالت کے برعکس ہم اندر سے ٹوٹ چکے تھے لیکن اب ماضی کو فراموش کر کے مستقبل کی راہوں کا تعین کرنا تھا۔ پچھلی محرومیوں سے نکل کر ایک مکمل زندگی جینا تھا تا کہ خاندان کا سر فخر سے بلند رکھ سکیں اور ہمارے بزرگ حق پر ہونے والے افراد کا ساتھ دیتے رہیں۔ زندگی ہنسی خوشی رواں دواں ہو گئی میرے انگن میں دو پھول کھل گئے۔ ان کے قبضے نئے وقت کی نوید تھے۔ سات برس بعد ہم کراچی جا سکے تو کلفٹن گئے اور ساحل سمندر پر چلتا شروع کر دیا اور پھر اسی پتھر پر بیٹھ گئے۔ آج بھی سمندر کا شوریدہ سر پانی روانی سے آتا اور پتھر کو اپنی اغوش میں لینے کی جدو جہد کر رہا تھا لیکن جیسے اس کی ہمت جواب دے جاتی کہ پھر واپس پلٹ جا تا تھا۔ تیہی میں نے کہا فراز۔ جب انسان عزم کر لیتا ہے تو یہ سمندر بھی تسخیر ہو جاتا ہے۔ ہمارا ایمان اس ذات پر تھا جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا مگر ہم انسان ایک دوسرے کو کمزور اور کمتر کرنے میں لگے رہتے ہیں جبکہ وہ ذات ہم کو افضل رکھنا چاہتی ہے۔ کاش ہم اس نکتے کو سمجھ لیتے۔ اپنی بنائی ہوئی ریتوں کو چھوڑ کر مالک حقیقی کے بنائے ہوئے قانون کو اپنا لیتے۔ تو کوئی عورت ونی نہ ہوتی اور نہ ہی کوئی جل کر خاکستر ہوتی۔ اچھا ہے کہ ہم بھی اپنی بچیوں کو وقت آنے پر شادی کے معاملے میں اظہار رائے کا حق دیں۔ بے شک فراز نے کہا۔ ہم ان کی صحیح تربیت کریں گے ان کو اعتماد دیں گے اور اظہار رائے کا حق بھی دیں گے تا کہ ایسا نظام قائم ہو جس میں کسی کی تذلیل ہو اور نہ کسی کا خون ناحق ہو۔ اگر کوئی بہن بیٹی غلط روایت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے تو ان کی زندگی کے پھول بھی کھلنے سے پہلے مرجھا جاتے ہیں۔ 'n'(ختم شد)']